ڈاکٹر اسرار احمد

قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ

تاریخی پس منظر اور مخالفت کے اسباب

پاکستان میں توہین رسالتؐ کے مرتکب لوگوں کو سزا دینے کے لیے قانون سازی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی منظوری کا باقاعدہ مطالبہ 1983ء میں ہوا۔ لاہور میں مشتاق راج نامی وکیل نے انگریزی زبان میں Heavenly Communism نامی کتاب لکھی، جس میں اس نے اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا۔ اس کتاب پر پورے ملک میں زبردست احتجاج کیا گیا تو مجبوراً حکومت نے نقص امن کے خطرے کی وجہ سے اس وکیل کو دفعہ 295(A) کے تحت گرفتار کرلیا۔ 1984ء میں وفاقی شرعی عدالت میں جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ کی طرف سے شریعت پٹیشن دائر کی گئی جس میں کہا گیا کہ توہین رسالت کو قابل گرفت جرم قرار دیا جائے اور اس کی سزا موت مقرر کی جائے۔ اس اہم مسئلے پر پورے ملک میں بحث و تمحیص شروع ہوگئی۔ اسی دوران انسانی حقوق کے حوالے سے شہرت حاصل کرنے والی خاتون ایڈووکیٹ سماۃ عاصمہ جیلانی نے اپنی تقریر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ اس خاتون نے ''امی'' کے لیے "Illiterate" کا لفظ استعمال کیا جو یقیناً توہین آمیز ہے۔ اس پر مرحومہ آپا نثار فاطمہ جو دین کی پرجوش مبلغہ اور اس وقت ایم این اے تھیں۔ (محترمہ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی خواہر نسبتی بھی تھیں) انہوں نے 1987ء میں قومی اسمبلی میں باقاعدہ ایک ''بل'' 295(C) کے نام سے پیش کیا۔ اس بل کو قومی اسمبلی نے باقاعدہ بحث کے بعد منظور کرلیا۔ اس قانون کے مطابق توہین رسالتؐ کے جرم کے مرتکب شخص کے لیے عمر قید اور سزائے موت پر مبنی دو سزائیں مقرر کر دی گئیں۔ اس پر جناب محمد اسماعیل قریشی نے شرعی عدالت میں ایک اور پٹیشن دائر کر دی کہ توہین رسالتؐ کے جرم پر عمر قید کی سزا درست نہیں ہے۔ اس قانون میں ترمیم کر کے توہین رسالتؐ کی سزا بطور حد صرف ''موت'' مقرر کی جائے۔ لہٰذا 1991ء میں 295(C) کی حیثیت سے پورے ملک میں توہین

رسالت کا قانون لاگو ہو گیا' جس کے خلاف بین الاقوامی سطح پر احتجاج کیا جا رہا ہے۔ امریکی صدر کلنٹن اور پوپ پال تک کو اس قانون سے پریشانی لاحق ہے۔ تحفظ ناموس رسالت کے قانون کی منظوری جناب محمد اسماعیل قریشی کا اصل کارنامہ ہے۔

اسی طرح کا معاملہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا ہے۔ 1974ء میں اٹھنے والی ختم نبوت کی تحریک کے نتیجے میں اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس قادیانی مسئلے کو نہایت عمدہ طریقے سے قومی اسمبلی کے ذریعے حل کر دیا۔ اگرچہ اس سے قبل مختلف عدالتی کیسوں میں قادیانیوں کے خلاف کفر کے فیصلے ہو چکے تھے' مگر اس معاملہ کو قانونی حیثیت قومی اسمبلی کے فیصلے کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اسی طرح تحفظ ناموس رسالت کا قانون وفاقی شرعی عدالت کی ہدایت پر قومی اسمبلی کے ذریعے نافذ العمل ہوا ہے۔

قانون تحفظ ناموس رسالت کی حکمت کیا ہے اور یہ دنیا کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا؟ اسے واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ بڑا اہم سوال ہے کہ پوری دنیا آخر اس قانون کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہے؟ اسی طرح اسلام کا ایک قانون "قتل مرتد" کا ہے جو موجودہ دنیا کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ دنیا میں مقبول عام تصورات میں سے ایک تصور آزادی کا ہے۔ یعنی ہر شخص کو آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جب چاہے اپنے مذہب کو بدل لے۔ جبکہ اسلامی ریاست میں اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرنے والے مرتد کی سزا قتل ہے۔ اس طرح اظہار رائے کی آزادی کا معاملہ بھی ہے۔ ایک شخص اپنے مطالعہ اور غور و فکر سے جو بھی رائے پیش کرنا چاہے اُسے اس کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ وہ اگر رشدی کی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کیچڑ اچھالنا چاہے تو اسے اس کا بھی حق حاصل ہے۔ آج کی دنیا میں رائج ان نظریات کا اصل سبب کیا ہے؟ اسے جاننا بہت ضروری ہے۔

دنیا میں یہ مقبول عام تصورات یہودیوں کی طویل جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ سیکولر ازم کا نظریہ یہ ہے کہ دین اور ریاست دو الگ چیزیں ہیں۔ ریاست کا کوئی تعلق کسی بھی مذہب سے نہیں ہوگا۔ اگرچہ دنیا کی ہر ریاست کا ایک سرکاری مذہب تو ہوتا ہے۔ مثلاً آج سیکولر ازم کا سب سے بڑا علمبردار امریکہ ہے لیکن عیسائیت امریکہ کا سرکاری مذہب ہے۔ امریکہ میں سرکاری تعطیلات عیسائی مذہب کے حوالے سے ہی ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہاں بھی قانون سازی کی سطح پر انجیل یا تورات کے کسی حکم سے ریاست امریکہ کو کوئی بحث اور سروکار نہیں ہے۔ سیکولر ازم کے نظریات پر مبنی نظام گزشتہ دو سو برس سے دنیا میں رائج ہے۔ یہ خود بخود نافذ نہیں ہوا۔ خدا' رام اور God کو عبادت گاہوں تک محدود کر کے' ور اسے ایوان حکومت اور ایوان عدالت سے دیس نکالا دے کر No Admission کا بورڈ لگا دیا گیا ہے۔ ملکی قانون کو قانون ساز اسمبلی کے ممبران کی اکثریت سے منظور کرا لیا جاتا ہے اور عدلیہ بھی کسی آسمانی وحی کی قطعاً پابند نہیں ہوتی۔ گویا سیکولر ازم کے تحت انسانی زندگی میں مذہب کی حیثیت محض ایک ضمیمے کی رہ گئی ہے جبکہ انسان

کی اجتماعی زندگی کا اصل نظام رائج الوقت سیکولر ازم نظام کے تحت چل رہا ہے اور سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام' دیوانی اور فوجداری قانون سب سیکولر ازم کے تابع ہیں۔ گویا دنیا کا 99 فیصد نظام لادینیت پر چل رہا ہے۔ اجتماعی زندگی سے تمام مذاہب کے عمل دخل کو یکسر اور کلی طور پر ختم کر دیا گیا ہے اور انہیں انفرادی زندگی تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس صورت حال میں اگر مذہب کے چھوٹے سے دائرے اور گوشے میں تبدیلی بھی واقع ہو جائے تو آخر کون سا بڑا فرق واقع ہو جائے گا؟ کوئی شخص پہلے ہندو یا عیسائی تھا اور اب مسلمان ہو گیا تو اس سے ملک کے نظام میں تو کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لہذا سیکولر ازم کے تحت مذہب تبدیل کرنے کی آزادی بھی دی جاتی ہے اور بانیان مذاہب کی ذات پر ہر قسم کی ہرزہ سرائی کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "Son of God" قرار دیتے ہیں جبکہ یہودی انہیں "Son of Man" قرار دیتے ہیں۔ گویا ہر ایک کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے۔

یہ سب کچھ یہودی سازش کی کرشمہ سازی ہے۔ یہودی بہت چھوٹی سی قوم ہے۔ پوری دنیا میں یہود کی تعداد 13 یا 14 ملین سے کسی طرح بھی زائد نہیں ہے جن میں سے 35 لاکھ یہودی اسرائیل میں آباد ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں یہودی امریکہ میں آباد ہیں جبکہ باقی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ پوری دنیا کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر سیاست کا رشتہ مذہب سے برقرار رہے تو یہود کو اپنے پیش نظر مقاصد میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں نہایت قلیل اقلیت کیا کر سکتی ہے؟ لہذا یہود نے سیاست اور مذہب کے باہمی رشتے کو منقطع کر دیا۔ اس ضمن میں جو آرڈر آف الیومیناٹی (Order of Illuminati) تشکیل دیا گیا تھا اس کا "Insignia" آج بھی ایک ڈالر کے نوٹ پر موجود ہے۔ یہود نے سیکولر ازم کو دنیا میں بڑی طویل محنت کے بعد رائج کیا ہے۔ یہودی مذہب غیر تبلیغی مذہب ہے۔ وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار کو یہودی بناتے ہی نہیں' کیونکہ یہودیت نسل پر مبنی ہے۔ اس لیے ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ عیسائیت میں تفریق پیدا کر دیں جیسے مسلمانوں میں عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی نے تفریق پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ یہود نے عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ اور کیتھولک میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم سے پہلے عیسائیوں کے عہد اقتدار میں سود کی مکمل ممانعت تھی۔ لیکن پروٹسٹنٹ کے ذریعے یہودیوں نے سود کو جائز کروا لیا۔ اس سودی نظام کی وجہ سے آج جس طرح پوری دنیا کی معیشت عالمی مالیاتی اداروں کی گرفت میں ہے' اسی طرح ڈیڑھ صدی قبل یورپی ممالک کی معیشت پر یہودی گرفت مسلط ہو چکی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنے سفر یورپ میں اسی صورت حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ

فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے

سیکولر ازم کا نظریہ مذہب۔ اور ریاست کی جدائی کا نام ہے' جسے اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری

دیگر مذاہب کے برعکس اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل دین اور نظامِ زندگی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسی شے جو اس نظام کو نقصان پہنچاتی ہو' اس کا سدباب ضروری ہے۔

ارتداد کا مسئلہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران مدینے کے یہود نے جب دیکھا کہ جو شخص ایک دفعہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے' پھر اس سے علیحدہ ہی نہیں ہوتا تو انہوں نے سوچا کہ کوئی ایسی چال چلنی چاہیے جس سے اسلام کی دھاک اور ساکھ مجروح ہو جائے۔ چنانچہ بعض یہودی صبح اسلام لاتے اور شام کو مرتد ہو جاتے تا کہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کیا جا سکے۔ اگر اسلام محض ایک مذہب ہوتا تو مسلمانوں کے لیے ترک اسلام کے راستے کو کھلا رکھنے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا لیکن اسلام تو درحقیقت ایک مکمل ریاستی نظام بھی ہے۔ لہٰذا ارتداد کا فتنہ اسلامی ریاست کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے نہایت موثر ہتھیار ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس فتنے کا سدباب کرنے کے لیے "من بدل دینہ فاقتلوہ" کا حکم جاری کر دیا گیا۔ پس اسلامی ریاست کی حدود میں کوئی مسلمان اگر مرتد ہو جاتا ہے تو وہ واجب القتل ہے۔

قتل مرتد کی سزا ان لوگوں کی سمجھ میں کیسے آئے جو مذہب اور ریاست کو جدا سمجھتے ہیں' جبکہ اسلامی ریاست کی بنیاد ہی مذہب ہے۔ لہٰذا مذہب سے بغاوت درحقیقت اسلامی ریاست سے بغاوت کے مترادف ہے۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے۔ اگر سیاست کے نظریہ ہی کو کمزور کر دیا جائے تو پھر خود ریاست ہی کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔

اسلام کا نظام حیات کل کا سارا قانونی ڈھانچہ رسالت و نبوت محمدیؐ پر استوار ہے۔ ایک شخص بہت پکا موحد بھی ہو اور اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں لیکن اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ عقیدۂ توحید کے باوجود غیر مسلم قرار پائے گا۔ کوئی شخص کتنا ہی متقی' عابد' زاہد اور پرہیزگار کیوں نہ ہو' جب تک رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلادہ اس کی گردن میں نہیں ہوگا۔ وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

دین تو نام ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے' شریعت کا سارا وجود ہی آپ کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسلام کا پورا نظام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اس تعلق کو مجروح کر دیا جائے تو گویا اسلام کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

حضورؐ کے ساتھ ایک بندۂ مومن کے رشتے اور تعلق کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان پر ایمان لاؤ' ان کی اطاعت کلی کرو اور تمام انسانوں سے بڑھ کر انہیں محبوب سمجھو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے

کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں' اس کے والد سے' اس کی اولاد سے' یہاں تک کہ تمام انسانوں سے۔ بدقسمتی سے آج ایمان کی یہ شرائط بھی امت کی عظیم اکثریت کے ذہنوں سے نکل چکی ہیں اور جہاں تک اتباع رسولؐ' اطاعت رسولؐ اور محبت رسولؐ کا معاملہ ہے' اس سے امت بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایک ہے محبت جس کا تعلق دل سے ہے جبکہ اطاعت کا تعلق عمل سے ہے جو نظر آتا ہے۔ ایک اور ضروری شے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام ہے جسے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے۔ بقول شاعر

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اسلامی ریاست یا اسلامی معاشرے کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک قانونی اور دوسری جذباتی۔ قانونی بنیاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات سے سرتابی نہ کی جائے' ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ مسلمان فرد ہو یا ریاست دونوں قرآن و سنت کے دائرے کے اندر اندر آزاد ہیں لیکن انہیں ان حدود سے تجاوز کی اجازت نہیں ہے جبکہ حضورؐ کا ادب و احترام اسلام کے نظام معاشرت اور اسلامی تہذیب میں یک رنگی اور تسلسل کا ضامن ہے۔ اسلامی معاشرے کے استحکام کے لیے ایک ستون اگر دستوری و قانونی جواز فراہم کرتا ہے تو دوسرا ستون حضورؐ سے جذباتی محبت اور آپ کا اتباع ہے۔ اگر حضورؐ کا ادب واحترام اور آپ کی اتباع کا جذبہ کمزور پڑ جائے تو اسلامی تہذیب کی بنیاد ختم ہو کر رہ جائے گی۔

اکبر کے وضع کردہ دین الٰہی کے اندر بھی یہی فتنہ مضمر تھا۔ اس وقت یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ دین کی اصل توحید ہی ہے' رسالت وغیرہ کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے امت محمد کا تشخص ختم ہو رہا تھا۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوئے۔ بقول اقبال

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

شیخ احمد سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب میں اتباع سنت پر جس قدر زور دیا گیا ہے' اس کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر توہین رسالت کا قانون موجود نہ ہو تو اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کو موقع مل جائے گا کہ وہ ہماری معاشرتی اور ملی زندگی کے جذباتی مرکز و محور کو منہدم کر دیں۔ اس سے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے "ابلیس کا پیغام اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو